حق امانت کی ادائیگی

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲؍ دسمبر ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے درج ذیل قرآنی آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَحَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا ﴿۷۳﴾ (الاحزاب:۷۳)

اور پھر فرمایا:

مذہب کے دو ہی بنیادی مقاصد ہیں ایک اللہ تعالیٰ سے اور دوسرے بنی نوع انسان سے خدا کی رضا کے مطابق تعلق۔ اس دوسرے حصہ کو حقوق العباد کہتے ہیں۔ تو حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ادا کرنا یہ دو ہی تمام مذاہب کے مقاصد ہیں اور ہونے چاہئیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا آپس میں کیا رابطہ ہے اور یہ کیا نسبت رکھتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ کسی طرف سے بھی بات شروع کریں یہ ایک دوسرے پر جا کر منتج ہو جاتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی ایسی لکیر نہیں کھینچی جا سکتی کہ ایک کو دوسرے سے کلیتہً جدا کر دیا جائے۔ حقوق العباد کے پہلو سے دیکھیں تو کوئی انسان با خدا بن ہی نہیں سکتا جب تک پہلے حقوق العباد ادا نہ کرے گویا حقوق العباد وہ پہلی منزل ہے جس سے انسان با خدا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے خوف کا

اظہار کیا تو حضرت خدیجہؓ نے اس بات پر کہ آپؐ کا تعلق لازماً خدا تعالیٰ سے ہے کسی اور سے نہیں سب سے قوی دلیل یہ دی کہ آپؐ سب سے زیادہ حقوق العباد ادا کرنے والے ہیں اور حقوق العباد میں آگے بڑھ کر حقوق ادا کرنے والے یعنی آپؐ کا مقام عدل سے بہت آگے ہے۔ آپؐ حقوق العباد اس طرح ادا کرتے ہیں کہ محسن بھی ہیں اور ایتاء ذی القربیٰ کا مقام بھی آپؐ کو حاصل ہے۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الوحی باب بدء الوحی) حضرت خدیجہؓ کے یہ الفاظ تو نہیں تھے مگر جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہی بنتا ہے۔ گویا اس کا طبعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو انسان مخلوق کے حقوق ادا کرتا ہو اس کا تعلق لازماً خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے شیطان سے اس کا تعلق قائم نہیں ہوسکتا اور وہ یہ حق رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس سے تعلق رکھے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آپ حقوق اللہ کی بات پہلے کریں تب بھی حقوق العباد پر جا کر بات منتج ہو جائے گی۔

چنانچہ قرآن کریم نے آنحضور ﷺ سے متعلق جو فرمایا فَتَدَلّٰی (النجم: ۹) تو اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے رب کے قریب ہوا اور قریب ہو کر اپنے رب کو محض اپنے لئے نہیں رکھ لیا اور بنی نوع انسان سے مستغنی نہیں ہوا۔ رب کے قرب کا ایک طبعی تقاضا تھا کہ وہ بنی نوع پر رحمت کے ساتھ جھک جائے اور جو کچھ اس نے پایا وہ انہیں بھی عطا کرے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تدلّٰی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ جیسے درخت باثمر ہو کر جھک جاتا ہے اور اس کا پھل ان لوگوں کے لئے جو پھل کے محتاج ہوں قریب آ جاتا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کا سفر خدا کی طرف شروع ہوا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے منعکس ہو کر پھر بندوں سے آ ملا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ ایک وحدت پائی جاتی ہے۔ مذہب میں یہ ایک توحید کا منظر ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد بالآخر ایک ہو جاتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص حقوق العباد صحیح معنوں میں ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کے پیار کی نظر اس پر نہ پڑے۔ ایسے بندوں کو خدا چن لیتا ہے جو واقعتہً اس کے بندوں کا حق ادا کرتے ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور بنی نوع انسان کے حقوق ادا نہ کرے۔ لہٰذا ایسی مذہبی جماعتیں جن میں حقوق العباد کی کمی نظر آئے، وہ ان اخلاق سے عاری ہوں جو انسان کو انسان کے لئے نرم کر دیتے ہیں اور اس کے حقوق ادا کرنے کے علاوہ احسان کا تقاضا کرتے ہیں۔ ایسا انسان اگر یہ کہے یا یہ سمجھے کہ میں بہت ہی عبادت کرنے والا ہوں، بہت ہی

روزے رکھنے والا ہوں تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایسے غلطی خوردہ کی غلطی کو ہمیشہ کے لئے یہ فرما کر دور کر دیا کہ مومن وہ نہیں ہے جو صرف عبادت کرے اور روزے رکھے بلکہ مومن وہ ہے جس کے شر سے انسان، ان کا خون اور ان کے اموال بھی محفوظ ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون ۔۔) تو حقیقت یہ ہے کہ حقوق العباد کے سوا حقوق اللہ ادا ہو نہیں سکتے اور حقوق اللہ ادا کرنے والے انسان کبھی بھی حقوق العباد سے غافل نہیں ہو سکتے۔

پس اس پہلو سے جماعت احمدیہ کو وقتاً فوقتاً تذکیر کی ضرورت ہے، یاد کروانے کی ضرورت ہے کہ ہمارا کیا مقام ہے، ہم کس بلند مقام پر فائز کئے گئے ہیں اور کیا ہم اس کے تقاضوں کو ہر پہلو سے پورا کر رہے ہیں یا نہیں۔ اس سلسلہ میں میں نے یہ سوچا ہے کہ ایک ایک خلق سے متعلق مختلف اوقات میں جب بھی خدا تعالیٰ توفیق عطا فرمائے خطبات میں جماعت کو نصیحت کروں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا خلق جس کی طرف میری توجہ مبذول ہوئی وہ امانت ہے۔

امانت دراصل وہ خلق ہے جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، مذہب کا آغاز ہی امانت سے ہوتا ہے، مذہب کا دوسرا نام امانت ہے۔ چنانچہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ
فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا

کہ ہم نے امانت یعنی شریعت کو آسمانی وجود جو نظر آ رہے تھے (یہاں امانت سے مراد کامل شریعت ہے یعنی دین کامل) وہ جو مذہبی دنیا سے تعلق رکھتے تھے ان کے سامنے بھی پیش کیا، زمین کے سامنے بھی پیش کیا، آسمان کے سامنے بھی پیش کیا، پہاڑوں کے سامنے بھی پیش کیا فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وہ اس کامل امانت کا حق ادا کرنے سے ڈر گئے وَ حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ ؕ چنانچہ انسان کامل آگے آیا یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ اور اس نے اس امانت کا بوجھ اٹھایا اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا یہ اپنے نفس پر بہت ظلم کرنے والا اور اس بات سے بے پرواہ ہے کہ اس امانت کے بوجھ کے نتیجہ میں اس پر کتنے مظالم ہونے والے ہیں کیسے کیسے دکھوں کا اسے سامنا ہوگا۔

چنانچہ آغاز وحی پر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ کہا گیا کہ آپؐ کی قوم

آپ ؐ کو اپنے وطن سے نکال دے گی تو بڑی معصومیت سے پوچھا کہ مجھے؟ مجھے کیوں نکال دے گی؟ یعنی مطلب یہ تھا کہ میں تو قوم کے اخلاق کا علمبر دار ہوں میں تو ان میں سے زیادہ عادل، سب سے زیادہ محسن، سب سے زیادہ امین ہوں تو مجھے کس وجہ سے نکال دے گی۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الوحی باب بدء الوحی) تو جَهُوْلًا سے مراد یہ تھی کہ اس امانت کے بوجھ کے جو تقاضے ہیں اور غیروں کی طرف سے جو بکثرت ظلم ہونے والے ہیں ان سے غافل تھا۔ ظَلُوْمًا اپنے نفس کے لئے ہے یعنی یہ غیروں پر ظلم کرنے والا نہیں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور اپنے آپ پر بہت ہی زیادہ سختی کرتا ہے۔ طاقت سے بڑھ کر حد سے زیادہ بوجھ اٹھانے کی تمنا رکھتا ہے۔ اس کا ظلم غیروں پر نہیں بلکہ یہ وجود وہ ہے جس پر غیر ظلم کریں گے اور اس کے باوجود اس سے غافل ہے۔ پس ایک معنیٰ تو یہ ہوئے اور ایک اور معنیٰ ہے کہ علم کے باوجود اس بات سے بے پرواہ ہے کیونکہ جَهُوْلًا عرب اس بہادر کے لئے استعمال کیا کرتے تھے جو موت کے خطرات سے خوب واقف ہو اور اس کے باوجود اس میں چھلانگ لگا دے اور اس بات سے مستغنی ہو کہ اس پر کیا گزرے گی تو آنحضرت ﷺ سے متعلق یہ دونوں معنے صادق آتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی آغاز نبوت میں یہ کیفیت تھی کہ آپ ؐ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی شخص نیکی کے بدلہ میں بدی کر سکتا ہے لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ ہونا ہے اور جتنا کہا گیا تھا اس سے بہت بڑھ کر آپ ؐ پر مظالم ہوئے تو اس وقت جَهُوْلًا کا یہ معنی تھا کہ آپ ؐ ان خطرات کو خوب جان گئے تھے تب بھی ایک انچ پیچھے نہیں ہٹے۔ بڑی جرأت اور مردانگی سے ان سارے مظالم کو برداشت کیا جو غیر نے آپ ؐ پر کئے اور اس کے باوجود امانت میں کوئی فرق نہ آیا۔

یہ امانت کیا ہے؟ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کہ اس کا ایک معنی جو عرف عام میں بھی مشہور ہیں اور مختلف مفسرین نے بھی لکھے ہیں وہ ہے ’’شریعت‘‘ اور شریعت اسی کو عطا ہوتی ہے جو امین ہو۔ امانت کے بنیادی معنی اطمینان اور بے خوفی کے ہیں۔ وہ شخص جو ایسی حالت کو پہنچ جائے کہ اس سے دنیا بے خوف ہو جائے اسے امین کہتے ہیں اور جو ایسے اخلاق کو پا جائے کہ اس کے نتیجہ میں اسے کوئی خوف نہ رہے وہ بھی امانت دار ہوتا ہے، یعنی خوف کی حالت سے بے خوفی کی حالت تک پہنچ جانا یہ بھی امین کے معنوں میں داخل ہے اور دوسروں کو بے خوف کر دینا یہ بھی اس کے معنوں میں شامل ہے۔

یعنی اگر انسان امانت کا حق ادا کرتا ہے تو اسے کوئی خطرہ اور خوف نہیں ہے اور جو امانت کا حق ادا کرنے والا ہو اس سے غیر کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔ امین کا لفظ انسانوں کے لئے تو آتا ہے اللہ کے لئے نہیں آتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور امانت میں عدم ملکیت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ امانت ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کی ملکیت کسی غیر کی ہو اس نے صرف اس کا حق ادا کرنا ہے وہ غیر کے تابع مرضی ہو جائے اور اس کی امانت میں خود دخل اندازی کوئی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ مالک ہے اس لئے سارے قرآن کریم میں اللہ کے لئے کہیں بھی امین کا لفظ نہیں آیا۔ ہاں مومن کا لفظ آتا ہے جو خدا کی نسبت بہت ہی وسیع معنی رکھتا ہے۔

بہر حال جہاں تک آنحضور ﷺ کا تعلق ہے جب ہم امانت کے پہلو پر غور کرتے ہیں تو ایک معنی یہ بنیں گے کہ وہ شریعت کا امین بنایا گیا، الہام الٰہی کا امین بنایا گیا اور وہ ایسا کامل امین تھا کہ اس نے ایک ذرہ بھی، سرمو بھی اس امانت میں فرق نہیں کیا۔ ہر قسم کی بیرونی مخالفتوں اور ہر قسم کی اندرونی خواہشات کے باوجود اس نے امانت میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ اندرونی خواہشات کے لحاظ سے وہ **ظلوم** تھا، اپنے نفس کی ہر تمنا کو خدا تعالیٰ کی خاطر کچلنے والا تھا۔ بیرونی خطرات کے لحاظ سے وہ **جھول** تھا دنیا کی کوئی طاقت اسے ڈرا کر یا خوف دلا کر امانت کے حق سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔

ایک اور معنی جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائے اور اس سے پہلے کسی مفسر کی نگاہ اس پر نہیں پڑی وہ یہ ہیں کہ امانت سے مراد وہ تمام طاقتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہیں، ذہنی طاقتیں، جسمانی طاقتیں، قلبی طاقتیں، روحانی طاقتیں جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ودیعت فرمایا ہے وہ خود اس کا مالک نہیں بلکہ وہ سب کچھ اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور امانت دیا گیا اور امین وہ ہوگا جو ہر اس چیز کو جو کسی نے اس کے سپرد کی ہے اس کے تابع مرضی استعمال کرے اور خرچ کرے۔ جہاں جہاں اسے دخل دینے کی اجازت دی گئی ہے وہاں وہاں دخل دے، جہاں دخل کی اجازت نہیں وہ نہ دے، غرضیکہ ایک ذرہ بھی اس مالک کی مرضی کے خلاف تصرف نہ کرے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان معنوں میں کامل امین جو دنیا میں ظاہر ہوا وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔ آپؐ نے اپنی ان تمام طاقتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ودیعت فرمائی تھیں بلا استثناء خدا کی تابع مرضی کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی گواہی خود دوسرے لفظوں میں دی کہ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

(الانعام: ۱۶۳)

اے محمدؐ ! تو نے امانت کا ایسا حق ادا کر دیا ہے کہ تیری عبادت، تیری ساری قربانیاں، تیرا تو مرنا جینا بھی کلیتہً اپنے رب کے لئے ہو گیا ہے اس میں غیر اللہ کا کوئی دخل باقی نہیں رہا۔ (آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد نمبر ۵ ص ۱۶۱۔۱۶۲) تو ہمارا آقا اتنا بڑا امین ہے۔ ہمارا آقا اتنا بڑا سردار ہے جس کی متابعت کا ہم دم بھرتے ہیں۔ اگر ہم باوجود کوشش کے اس اعلیٰ مقام امانت پر فائز نہیں ہو سکتے تو یہ تو کوئی بات نہیں جس پر خدا پکڑے کیونکہ ہر انسان کی صلاحیتیں مختلف ہیں، جو صلاحیتیں اور قابلیتیں اس نے ودیعت کی ہیں وہ الگ الگ ہیں۔ کوئی انسان کمزور پیدا ہوتا ہے تو کوئی طاقتور، کوئی بیمار اور کوئی صحت مند، کسی کی بعض قابلیتیں نمایاں ہوتی ہیں، کسی کی بعض اور قابلیتیں نمایاں ہوتی ہے اس لئے یہ تو درست ہے کہ انتہائی کوشش کے بعد بھی کوئی شخص دنیا میں محمد ﷺ نہیں بن سکتا لیکن یہ بھی درست نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی طرف حرکت نہیں کر سکتا۔ آپ ایک مستقل حرکت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف کر سکتے ہیں اور بحیثیت امین ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے وجود سے قریب تر ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دعا کرو کہ مرنے کے بعد ہم حضور رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں جگہ پائیں۔ بڑی اچھی خواہش ہے لیکن بسا اوقات انہیں یہ خیال نہیں آتا کہ جنہوں نے اس دنیا میں محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں جگہ نہیں پائی وہ وہاں کیسے پا جائیں گے۔ یہ دنیا دار العمل ہے اگر آپ نے حضرت رسول کریم ﷺ کے قریب ہونا ہے تو اب وقت ہے قریب ہو جایئے مرنے کے بعد قربت کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ پھر آپ اسی مقام سے اٹھائے جائیں گے اور وہیں کھڑے کئے جائیں گے جو قربت کا مقام آپ نے دنیا میں حاصل کر لیا تھا۔

امانت کے لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو اس پہلو سے بہت ہی تکلیف دہ مناظر نظر آتے ہیں۔ جو شخص بندوں کا امین نہ ہو وہ خدا کا امین کیسے ہو سکتا ہے۔ امانت میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اور جماعت کو لازماً ان ساری کمزوریوں کو دور کرنا ہوگا۔ امانت کے وسیع تر مضمون میں داخل ہونا تو بہت بڑی بات ہے۔ میں اس وقت اتر کر معمولی عرف عام کے مضمون میں پہنچ گیا ہوں۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ چھوٹی چھوٹی امانتوں میں بھی خیانت کی جا رہی ہے۔

امانت سے مراد نہ صرف روپے پیسے جو دیئے جاتے ہیں وہ ہیں بلکہ ہر انسان کی عزت بھی دوسرے کے پاس امانت ہے، ہر انسان کے حقوق دوسرے کے پاس امانت ہیں اور اس پہلو سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو راعی بنا دیا ہے۔ اگر آپ ان معنوں میں لفظ ”امانت“ پر غور کریں کہ حقوق العباد میں امانت کیا شکلیں اختیار کرتی ہے تو تمام حقوق انسانی سے امانت کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (المومنون:۹)

وہ اپنی امانات اور عہدوں پر راعی ہو جاتے ہیں۔ راعی کے کیا معنی ہیں؟ اس کی تفصیل آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ

(بخاری کتاب النکاح باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا)

کہ تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ یعنی امانت کی جو تفصیل پہلے بیان کی گئی ہے وہ اس حدیث سے بالکل مطابقت رکھتی ہے۔

امانت اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو اپنی نہ ہو کسی غیر کی ہو اور رعیت اسے کہتے ہیں کہ امانت کے حقوق اس طرح ادا کئے جائیں کہ جو مالک ہے اسے اعتراض نہ ہو سکے اس کی عین مرضی کے مطابق امانت خرچ کی جائے۔ تو فرمایا کہ تم مالک نہیں ہو اس دنیا میں تم امین ہو اور ایسے امین ہو کہ جسے پوچھنے والا زندہ موجود ہے اور جس کا پوچھنے والا صاحب اقتدار ہے ورنہ دنیا میں انسان بعض دفعہ کسی اور کا امین ہو جاتا ہے۔ فرض تو اس کا ہے کہ امانت کا حق ادا کرے لیکن امانت دینے والا مر جاتا ہے یا اس سے کمزور ہوتا ہے اس کا کچھ بس نہیں ہوتا اگر کوئی خیانت بھی کرے تو وہ زبردستی اپنے حقوق نہیں لے سکتا۔ اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم کس کے امین ہیں، آنحضرت ﷺ نے اس کی یہ تفصیل فرمائی کہ رٰعُوْنَ میں جو خدا تعالیٰ نے اس طرف متوجہ فرمایا ہے کہ تم اپنی امانتوں کے راعی ہو اور ایسے راعی ہو جو مسئول ہو۔ تم سے لازماً یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ امانتیں کس طرح ادا کیں؟ جب ہم امانت کے مضمون کو عام لین دین کے معاملات میں دیکھیں تو یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ اس چھوٹے سے مفہوم میں بھی ابھی بہت اصلاح کی گنجائش موجود ہے۔ قضا میں جتنے جھگڑے آتے ہیں وہ

سارے امانت میں کمی سے تعلق رکھنے والے جھگڑے ہیں۔ کسی نے کسی سے شراکت کی اور شراکت کے دوران امانت کا حق ادا نہ کیا، کسی نے کسی کے سپرد کوئی جائیداد یا کوئی کام کیا تو اس نے وہاں امانت کا حق ادا نہ کیا، کسی نے بیوی کی امانت کا حق ادا نہ کیا تو کسی بیوی نے خاوند کی امانت کا حق ادا نہ کیا، غرضیکہ سارے قضا کا خلاصہ یہ ہے کہ جتنے جھگڑے وہاں پہنچتے ہیں ان میں سے ایک نہ ایک فریق لازماً امانت کے معیار سے گرا ہوا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں فریق گرے ہوئے ہوں۔ مقدموں میں یہ ضروری نہیں ہوا کرتا کہ سارا قصور ایک ہی فریق کا ہو لیکن جب کوئی مقدمہ قضا میں پہنچتا ہے تو یہ قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ امانت کا معیار گرا ہوا ہے اور جتنے زیادہ مقدمے قضا میں پہنچیں گے اتنی ہی زیادہ الارم کی گھنٹیاں بجیں گی اور اتنا ہی زیادہ خوف پیدا ہوگا۔

پس وہ جماعت جسے تمام دنیا کے لئے امین بنایا گیا ہے اگر وہ اپنے لئے ہی امین نہ ہو تو وہ کس طرح اس حق کو ادا کرے گی۔ آپ امین ہیں، صرف اموال میں نہیں، صرف دنیاوی حقوق میں نہیں بلکہ آپ شریعت کے بھی امین ہیں، آپ ساری دنیا کے حقوق کے امین ہیں۔ جماعت احمدیہ پر آنحضرت ﷺ کی نمائندگی کا حق ادا کرنے کی اتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس کے خوف سے تو انسان کو لرزتے رہنا چاہئے۔ ہرگز بے فکری اور بے خوفی کا مقام نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امانت کے معاملہ میں جتنا زیادہ خوف رکھیں گے، جتنا زیادہ خدا سے ڈریں گے اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے خوفی عطا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا نام اگر چہ امین نہیں مگر مومن ہے۔ مومن کے کیا معنی؟ مومن کے معنی یہ ہیں کہ جس سے کسی دوسرے انسان کو کوئی خوف لاحق نہ ہو۔ ایک پہلو سے اللہ مومن ہے اور ایک پہلو سے انسان مومن ہے اور ان دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

انسان مومن تب بنتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کو اس بارے میں مطمئن کر دے کہ خدا تعالیٰ کو اس سے بغاوت کا احتمال نہ رہے، عصیان اور نافرمانی کا احتمال نہ رہے۔ یعنی بحیثیت انسان مومن وہ کہلائے گا جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور جس سے خدا تعالیٰ کو یہ امن حاصل ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں کوئی رخنہ پیدا نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی امانت نہیں کھائے گا بلکہ اس کی امانت کو جس طرح اس نے پسند فرمایا ہے اسی طرح ادا کرے گا۔ کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک

امین نہ ہو۔ پس ان معنوں میں انسان مومن ہے اور انسان جتنا مومن ہوتا ہے اتنا ہی اس کے لئے اللہ مومن ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس حد تک وہ اللہ تعالیٰ کا خوف کھا کر اس کو مطمئن کرتا ہے اسی حد تک اللہ تعالیٰ اس کے خوف دور کرتا چلا جاتا ہے اور ان چیزوں میں وہ ضامن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مختلف رنگ میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ جو مومن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہو جاتا ہے، اس کا کفیل ہو جاتا ہے، اس کی ذمہ داریاں قبول فرمالیتا ہے۔ پس اللہ مومن ہے ان معنوں میں کہ جس حد تک انسان خدا پر ایمان لائے یا خدا کو اپنی ذات سے ان سارے معاملات میں امن دے تو اللہ تعالیٰ اس کا کفیل ہو جائے گا اور اس کا نگران ہو جائے گا اور اس کی حفاظت فرمائے گا اور اسے بے خوف کر دے گا اور جس حد تک وہ خدا کو امن نہیں دیتا اسی حد تک وہ امن کے مقام سے نکل کر خوف کے مقام میں داخل ہو جاتا ہے۔ جتنے قدم وہ خدا کی رضا سے باہر رکھے گا اتنے ہی قدم وہ خطرات سے باہر رکھ رہا ہوگا۔

پس امانت ایک بہت ہی اہم خلق ہے اور امانت یعنی خدا کی امانت ادا نہیں ہوسکتی جب تک انسان انسان کے لئے امین نہ ہو، پہلے انسان بننا پڑے گا پھر انسان کامل کی باری آتی ہے اور پھر اللہ سے تعلق پیدا ہوتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں جو فرمایا ہے:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝۷۲

(ص: ۷۳)

اس میں وہی مضمون ہے کہ پہلے تم ٹھیک ٹھاک تو ہو پھر نفخ روح کا سوال ہوگا جب میں تمہیں ٹھیک کرلوں گا، جب تمہارے اخلاق درست کرلوں گا تب یہ سوال پیدا ہوگا کہ میں تم پر الہام کروں، تم پر وحی کروں اور تمہارا مجھ سے تعلق پیدا ہو۔ اگر تمہارے اخلاق بگڑے ہوئے ہوں، تم انسان ہی نہ کہلا سکتے ہو اور یہ خواہش اور تمنا رکھو کہ اللہ تعالیٰ الہام کرے اور وحی فرمائے، سچی خوابیں دکھائے اور خدا تعالیٰ نصرت فرمائے تو یہ ساری خیالی باتیں ہیں۔

پس حقیقت یہ ہے کہ حق امانت بہت ہی اہم خلق ہے۔ حق امانت کی کتنی اہم ذمہ داری ہے اور امین ہونا کتنا بڑا خلق ہے کہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا ہے اور جتنا کوئی خائن ہوتا چلا جائے اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق ٹوٹتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو منع فرما دیتا ہے کہ

مجھ سے خائن کے بارہ میں کوئی سفارش کریں۔ قرآن کریم انبیاء کو کھلم کھلا تاکید فرماتا ہے کہ خائنوں کے بارے میں کوئی جھگڑا کوئی بحث نہیں کرنی۔ گویا خیانت شفاعت سے محرومی ہے اس لئے جو ہماری کمزوریاں ہیں خواہ غفلت کی وجہ سے خطاؤں کی وجہ سے یا عمداً گناہ ہو ایک جو تمنا ہوتی ہے کہ قیامت کے دن حضور اکرم ﷺ شفاعت فرمائیں گے تو قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کی شفاعت سے خدا روک دے گا جو خائن ہوں۔

پس جو شخص دنیا میں لین دین کے معاملات میں امانت کا حق ادا نہیں کر سکتا اس کا یہ تصور ہی غلط ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانتوں کے حق ادا کر رہا ہے، وہ عبادت کر رہا ہے وہ روزے رکھ رہا ہے۔ یہ ساری بعد کی باتیں ہیں جب تک وہ اندرونی طور پر ٹھیک ٹھاک نہیں ہو جاتا، جب تک اس کا نفس برابر نہیں ہو جاتا اس وقت تک خدا تعالیٰ سے تعلق کا سوال ہی کوئی نہیں۔ سب سے زیادہ جھگڑے لین دین کے ہیں یعنی پیسے کے معاملے میں انسان اتنا کمزور ہے اتنا حریص اور توکل سے عاری ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں جب تک خدا تعالیٰ کے قانون توڑ کر پیسے نہ لے لوں اس وقت تک میرا گزارہ مشکل ہے، اس وقت تک میرا کوئی کفیل نہیں ہو سکتا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں انسان کو بھول کر بے انتہا ناشکری کرتا ہوا انسان خیانت کر جاتا ہے۔ میرے سامنے ایسے معاملات آتے رہتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی پر احسان کیا اسے ایسے وقت میں اپنا مکان دیا جب اسے سر چھپانے کی جگہ نہیں تھی اور بعض صورتوں میں کرایہ بھی وصول نہیں کیا اور جب اس نے آ کر کہا کہ اب مجھے ضرورت ہے مکان دے دو تو کہا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہم کہاں جائیں، ہم اپنا سر کہاں چھپائیں۔ اب یہ جو امانت میں خیانت ہے اس میں ایک اور بھی عنصر داخل ہو جاتا ہے یعنی بے شرمی، بے حیائی اور ناشکرے پن کا۔ تو انسان تو ناشکرا اور بے حیا ہو کر بھی خیانت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جب آپ کسی سے قرض لیتے ہیں تو یہ صرف امانت نہیں بلکہ اس میں احسان بھی شامل ہوتا ہے۔

امانت اور قرض میں ایک فرق ہے۔ ویسے تو قرآن کریم نے قرض کو بھی امانت کے تابع بیان فرمایا ہے لیکن عام امانت اور قرض میں ایک فرق یہ ہے کہ آپ امانت استعمال نہیں کر سکتے جب تک کہ امانت رکھنے والا استعمال کی اجازت نہ دے اور جب وہ اجازت دے دے تو اسی کا نام قرض ہو جاتا ہے۔ ایک اور فرق یہ ہے کہ امانت مانگ کر نہیں لی جاتی اور قرض آپ مانگ کر لے سکتے ہیں۔

امانت ضائع ہو جائے تو آپ اس کی ادائیگی کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ قرض ضائع ہو تو چونکہ آپ نے اس سے استفادہ کیا تھا اور آپ نے مانگ کر لیا تھا اس لئے آپ کو لازماً ادا کرنا پڑے گا۔ یہ سوال نہیں کہ جی نقصان ہو گیا میں نہیں دے سکتا۔ پس یہ جو دو تین فرق ہیں اسے ملحوظ رکھیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب عہدے مانگنے سے متعلق منع فرمایا کہ کسی عہدہ کی خواہش نہیں کرنی تو اس لئے کہ وہ قرض نہیں امانت ہے۔ جتنی ذمہ داریاں ہیں وہ ساری امانتیں ہیں۔ چنانچہ جب بعض لوگوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے یہ خواہش کی کہ ہمیں فلاں جگہ کی ولایت دے دیں یا فلاں جگہ کی امارت دے دیں تو آپؐ نے فرمایا کہ بالکل نہیں، یہ وہ امانت ہے جو مانگی نہیں جائے گی۔ یہ میرا کام ہے اور میرے سپرد ہے کہ میں جسے تم میں سے بہترین سمجھوں اس کے سپرد کروں۔ تمہارا یہ کام ہی نہیں کہ امانت مانگو۔ فرمایا کہ جو شخص امانت نہیں مانگتا بلکہ اس کے سپرد کی جاتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ اس کا مؤکل ہو جاتا ہے، اس کے لئے آسانی پیدا فرما دیتا ہے اور جو شخص خواہش کر کے لیتا ہے تو وہ امانت اس کے لئے بوجھ بنا دی جاتی ہے، وہ اس بوجھ کو اٹھا نہیں سکتا۔

(الجامع الصحیح البخاری کتاب الأیمان والنذر باب قول اللہ لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم)

پس امانت اور قرض کے فرق کو ملحوظ رکھیں۔ امانت میں آپ کو کسی شخص نے از خود دیا ہے۔ دنیا کے لین دین میں جب ہم قرض سے فرق کرنے کے لئے امانت کی بات کرتے ہیں تو مطلب یہ بنے گا کہ آپ نے کوئی خواہش نہیں کی بلکہ ایک شخص کو ضرورت تھی اس نے آپ کے پاس اپنا روپیہ رکھوا دیا۔ ایسی صورت میں آپ کا کچھ احسان اس پر ہو جاتا ہے کیونکہ آپ نے ذمہ داری قبول کر لی۔ اس کا ثواب اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائے گا لیکن جب آپ قرض لیتے ہیں تو آپ امین بھی ہیں اور زیر احسان بھی آجاتے ہیں۔ پس جو قرض میں لیت ولعل کرتا ہے کہ میں نہیں دے سکتا ضائع ہو گیا، فلاں بات ہو گئی، وہ تو احسان کش بھی ہے۔ بہت سے جھگڑے اور ایسی شکائتیں ملتی رہتی ہیں کہ فلاں شخص نے قرض لیا تھا اور اسے ادا نہیں کیا۔ یا بعض اوقات نہایت تکلیف دہ صورت میں ادا کرتے ہیں کہ آج روپے کی قیمت اور ہے قرض ادا کرتے بیس سال لگا دیئے جبکہ اصل سے اس کی کوئی نسبت ہی نہیں رہتی۔ جب واپس ہو رہا ہوتا ہے تو عملاً اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہوتی۔

پس قرض کو وقت پر وعدہ کے مطابق ادا کرنا یہ امانت سے بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس

میں انسان احسان کے نیچے آیا ہوا ہوتا ہے وہ دو قسم کا مجرم بن جاتا ہے۔ احسان کش بھی محسن کش بھی اور خائن بھی بن جاتا ہے۔ اس پہلو سے جماعت کو بہت اونچے معیار کی ضرورت ہے۔ میں تو بعض دفعہ شرم سے کٹ جاتا ہوں جب بعض غیر احمدی یہ لکھتے ہیں کہ فلاں احمدی نے ہم سے یہ قرض لیا تھا، جب اسے ضرورت تھی اسے ہم نے ادا کیا، اب ہمیں ضرورت ہے تو وہ واپس نہیں کر رہا۔ بعض لوگ جھوٹی شکائتیں بھی کر دیتے ہیں لیکن بعض شکایتوں کی میں نے تحقیق کروائی اور ثابت ہوا کہ بات بالکل درست ہے تو یہ بہت ہی بڑا جرم ہے بلکہ ایک تیسرا جرم شامل ہو گیا یعنی جب آپ نے غیروں سے بد معاملگی کی تو آپ لوگ تبلیغ اور جماعت کی نیک نامی میں روک بن گئے۔

پس امانت کے معیار کو بلند کیجئے اور یہ دیکھئے کہ غلام کس کے ہیں، آپ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے غلام ہیں جو سب امینوں سے بڑھ کر امین تھے، جنہوں نے امانت کے مقام کو انتہا تک پہنچا دیا۔ ان کی غلامی کے دعوے دار ہو کر یہ باتیں زیب نہیں دیتیں کہ چھوٹی چھوٹی امانتوں میں بھی آپ خیانت کر جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں ایسے بہت سے واقعات ہیں لیکن ایک واقعہ سناتا ہوں اس سے آپ اندازہ کریں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے کیوں چنا تھا؟ اس لئے کہ آپؑ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے پیچھے قدم بقدم چلنے والے تھے۔ آپؑ نے ہر خلق حضرت محمد مصطفی ﷺ سے سیکھا تھا اور پھر اس کے تمام باریک تقاضوں کو پورا کیا۔

ایک دفعہ آپؑ سیر کے لئے تشریف لے جا رہے تھے میاں محمد عبداللہ سنوری صاحب ساتھ تھے۔ بیروں کا موسم تھا ایک بیری سے سرخ رنگ کا ایک بیر سڑک پر گرا ہوا تھا میاں عبداللہ صاحب نے اٹھا لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ کس کی بیری ہے؟ انہوں نے کہا پتہ نہیں کس کی ہے۔ پھر فرمایا آپ نے اس سے پوچھا کہ میں تمہارا یہ بیر لے سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا۔ یہ سڑک پر پڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر وہیں رکھ دو۔ (سیرۃ المہدی جلد اول روایت نمبر ۱۱۱)
تو جس کا امام اتنا عظیم الشان ہو کہ دنیا کے سب سے بڑے امین کا غلام کامل ہو جائے اور ہر بات میں، ہر قدم پر انتہائی باریکی سے غلامی کا حق ادا کر رہا ہو اس کی طرف منسوب ہونے کے بعد آپ اندازہ کریں کہ آپ سے دنیا کی طرف سے امانت کے کتنے بلند تقاضے ہوں گے۔ اگر آپ نے اس امانت

کا حق ادا نہ کیا تو دنیا سے یہ خلق ختم ہو جائے گا۔ آپ ہی اس کے علمبردار ہیں۔ اس لئے ہر احمدی کو مرد، عورت اور بچے کو امانت کے نہایت اعلیٰ مقام پر قدم رکھنا چاہئے۔ اگر آپ امین ہو جائیں گے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا آپ کے لئے مومن ہو جائے گا۔ آپ اس مومن کی شان دیکھیں گے وہ ہر خطرہ سے آپ کو بچائے گا، آپ اس کی حفاظت میں آجائیں گے، وہ ہر اس شان کے ساتھ آپ پر ظاہر ہوگا جس طرح اس سے پہلے وہ امینوں پر ظاہر ہوتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں امانت کے حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ / جنوری ۱۹۸۴ء)